ایرانی- شیعی تہذیب کی ترویج میں میر محمد مؤمن استر آبادی کا کردار

مؤلف: حسین محمدی، زہرا نقیبی
مترجم: شبیہ عباس خان

بہمنی سلسلہ کا آخری بادشاہ کلیم اللہ شاہ کے نام سے سنہ ۱۵۲۴ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۵۲۷ء میں اس کی موت ہو گئی اور اس کے مرتے ہی بہمنی سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔ بہمنی سلسلہ نے ۱۸۰ سال تک ہندوستان کے جنوبی حصہ پر حکمرانی کی۔ ۱۸ بادشاہ تخت نشین ہوئے اور ان میں سے زیادہ تر اندورنی اختلافات کی وجہ سے مارے گئے یا ہٹادئے گئے۔

بہمنی سلسلہ کے خاتمہ کے بعد دکن میں پانچ الگ الگ سلسلے معرض وجود میں آئے۔ قطب شاہی سلسلہ گلکنڈہ میں، عادل شاہی سلسلہ بیجاپور میں، نظام شاہی سلسلہ احمد آباد میں، عماد شاہی سلسلہ برار میں اور برید شاہی سلسلہ بیدر میں۔ ان میں سے قطب شاہی، عادل شاہی اور نظام شاہی سلسلوں نے شیعہ مذہب کو سرکاری مذہب قرار دیا، جنہیں تاریخ میں شیعی حکومتوں کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔[1] البتہ بیجاپور کے عادلشاہی بادشاہ دوسرے سلسلوں کے بادشاہوں کے بہ نسبت زیادہ سیکولر تھے اور دوسرے اسلامی فرق اور ہندو حضرات ان کے یہاں آرام سے رہتے تھے۔

ان تینوں سلسلوں نے مذہب تشیع کی حمایت میں کافی کام کئے جس کی وجہ سے بہت سے ایرانی دانشور، شاعر اور عالم دین نے دکن کا رخ کیا اور یہیں پر ساری زندگی گزار دی۔ یہ مہاجر گروہ دکن کی حکومتوں میں فوجی یا دفتری کاموں میں مشغول ہوئے۔ نیز مہاجر شیعہ علما حکومت کے اعلی مناصب پر فائز ہوئے۔[2]

اس دور میں شیعوں کا ایک خاص سماجی طبقہ تھا اور خاص مشاغل و مناصب ان کے ذمہ ہوتا تھا۔

۱۔ صادقی علوی، محمود، قطب شاہیان؛ احیا گران تشیع دکن مجلّہ شیعہ شناسی، ش ۱۵، ص ۹۲

۲۔ صدیقی، بیروتی، آن دیوارہ تاثیر زبان ھای ایرانی بر زبان ہای ہندی، مجموعہ مقالات روابط فرہنگی ایران وہند، ص ۱۲۲

دکن کے لوگ دو بڑے سماجی حصوں میں تقسیم تھے۔ آفاقی اور دکنی۔ پہلے گروہ میں ایرانی، ترک اور سنٹرل ایشیا کے مغول شیعہ شامل تھے۔ دوسرا گروہ جنوب ہند کے سنی مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں گروہ مسلسل ایک دوسرے سے رقابت میں رہتے تھے۔ اس تقسیم بندی کی بنیاد قومیت تھی لیکن مذہب کا بھی اس میں بڑا کردار تھا۔[۱]

دکن میں ایرانی شیعہ زیادہ تر فوج، دیوانی کاموں، تجارت، صنعت گری، طب اور آرٹ میں مشغول تھے۔ ایرانی دانشوروں کی مہاجرت کا سلسلہ بہمنی دور سے شروع ہوا اور قطب شاہی دور میں اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ مختلف شہروں میں انہوں نے مختلف سماجی گروہ کی تشکیل کی اور ایرانی – شیعی تہذیب کی دکن میں ترویج کی۔

میر محمد مؤمن استرآبادی انہیں مہاجر علما میں سے تھے جنہوں نے قطب شاہی دور میں حکومت کے سب سے بڑے منصب یعنی پیشوائی کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ نے اس منصب پر رہتے ہوئے بہت سی خدمات انجام دیں اور مختلف طریقوں سے دکن کے لوگوں کو شیعی ایرانی تہذیب سے آشنا کرایا جس کی وجہ سے دکن اور یہاں تک کہ ہندوؤں میں شیعہ تہذیب کی بنیادیں مضبوط ہوئیں جو آج تک باقی ہیں۔[۲]

اس مقالہ میں شیعی ایرانی تہذیب کے فروغ اور قطب شاہی سلسلہ کی مضبوطی میں میر مؤمن استرآبادی کے کردار کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ برصغیر میں تاریخ تشیع کے موضوع پر کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر سید محیی الدین قادری زور صاحب نے میر مؤمن استرآبادی کی سوانح حیات پر ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا فارسی ترجمہ ایران کے شہر قم سے شائع ہو چکا ہے۔

سید اطہر عباس رضوی کی کتاب شیعہ در ہند بھی اس سلسلہ کی اہم کتاب ہے جس میں تشیع کے آغاز، خلافت، بزرگان شیعہ، شیعہ مؤلفین، شمالی ہند میں تشیع، کشمیر میں تشیع، دکن میں تشیع وغیرہ جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مرکز مطالعات و تحقیقات اسلامی نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور تبلیغات اسلامی کے دفتر نے اسے سنہ ۱۳۷۶ شمسی میں شائع کیا۔

جان نورمن ہالیستر کی کتاب ہندوستان میں تشیع بھی ایک اہم کتاب ہے جس کا فارسی میں بھی

۱۔ ہالیستر، جان نورمن، تشیع در ہند، ترجمہ آذرمی دخت مشایخ فریدنی، ص ۱۱۶ و ۱۱۷

۲۔ ضابط، حیدر رضا، ادیان و مکاتب: تشیع در شبہ قارہ ہند، مجلّہ پژوہش ہای اسلامی، ش ۱۳، ص ۱۵۵

ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں بر صغیر میں تشیع، دکن میں شیعی حکومتوں کی تشکیل وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

میر مؤمن استر آبادی: خاندان والقاب

علامہ میر محمد مؤمن استر آبادی، حکیم، معمار اور بزرگ ایرانی ادیب اور استر آبادی سادات کے خاندان سے تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش کتابوں میں نہیں ملتی لیکن اتنا کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۶۰ ہجری سے قبل ہوئی ہے۔ آپ کے والد اور ماموں کا شمار بھی علمائے امامیہ میں ہوتا تھا اور آپ کے ماموں میر فخر الدین سماکی استر آبادی کے نام سے مشہور ہیں۔ میر مؤمن استر ابادی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد و ماموں کی خدمت میں حاصل کی۔ مولانا سید علی بن ابی الحسن الحسینی ابراہیمی الموسوی ملقب بہ سید نور الدین سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ شاہ طہماسب کے دربار میں وارد ہوئے۔ شاہ آپ کے کمالات سے اتنا متاثر ہوا کہ آپ کو اپنے بیٹے شاہزادہ حیدر میرزا کا اتالیق بنا دیا[1] لیکن شاہ طہماسب کی موت اور حیدر میرزا کے قتل کے بعد سنہ ۹۸۹ ہجری میں سید محمد مؤمن گلکندہ گئے اور قطب شاہی دربار میں آپ کا استقبال کیا گیا۔ آپ کا شمار ان شیعہ علما میں ہوتا ہے جنہوں نے دکن کی شیعی حکومتوں میں سب سے اعلی سیاسی و مذہبی منصب حاصل کئے۔ پیشوائی کا منصب قطب شاہی حکومت کا سب سے اعلی سیاسی اور مذہبی منصب تھا۔ تمام قضائی، مذہبی، تہذیبی اور سیاسی امور عملاً پیشوا کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔[2] میر مؤمن کے دور میں اس علاقہ میں شیعی تہذیب کی رونق میں کافی اضافہ ہوا۔ آپ کے دور میں سلطان محمد قلی (۹۸۸-۱۰۲۰)، سلطان محمد (۱۰۱۰-۱۰۳۵) اور سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵-۱۰۶۸) نے حکومت کی۔ آپ کے آبا و اجداد نیز آپ خود شرافت نسب و حُسن خلق اور علمی اعتبار سے مشہور تھے۔ آپ کے والد سید اشرف الدین سماکی اور والدہ مشہور عالم امیر فخر الدین سماکی کی بہن تھیں۔ آپ کے والد علم و فضل میں شہرہ آفاق اور امیر غیاث الدین منصور کے شاگرد تھے۔

آپ کا اصلی نام میر محمد مؤمن تھا اور میر صاحب یا میر مؤمن صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ شاہ

۱۔ اطہر رضوی، عباس، شیعہ در ہند (ج ۱)، ص ۴۷۹

۲۔ ادیان و مکاتب: تشیع در شبہ قارہ ہند، ص ۱۵۴

عباس صفوی نے حسن بیگ قبچاقی کو محمد قلی قطب شاہ کی موت کی تسلیت اور سلطان محمد کی جانشینی کی مبارک باد کے لئے حیدرآباد روانہ کیا اور اسی کے ساتھ میر محمد مؤمن کے نام مستقل فرمان تحریر کیا جس میں امیر محمد مؤمن استرآبادی تحریر تھا۔[1]

آق قویونلو اور قرہ قیونلو کے قبیلوں میں جب جنگ ہوئی تو سلطان قلی جو کہ قرہ قویونلو کے قبیلہ کا شاہزادہ تھا، اپنے چچا اللہ قلی کے ساتھ دکن آیا۔[2] سلطان قلی اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بدولت بہت جلد محمد شاہ سوم بہمنی کے دربار میں اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔[3] کچھ ناراض دکنیوں نے محمد شاہ پر حملہ کیا جسے سلطان قلی نے اپنی بہادری سے ناکام بنادیا اور اس واقعہ سے سلطان کی نظر میں ان کی عزت میں اور اضافہ ہوا اور تلنگانہ کی حکومت انہیں تحفہ میں ملی۔[4] بہمنی سلطنت کے کمزور ہونے کے بعد ان کا قلمرو مختلف مختلف سرداروں میں تقسیم ہوگیا اور سلطان قلی نے بھی اپنی مملکت کے استقلال کا اعلان کردیا اور خود کو قطب شاہ کا لقب دیا اور قطب شاہی حکومت کی بنیاد رکھی۔[5] سلطان قلی نے شیعہ ہونے کے ناطے شیعہ مذہب کو اپنی حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا اور بارہ امام کے نام سے خطبہ پڑھوایا۔ سلطان قلی نے ۹۱۸ سے ۹۵۰ ہجری تک حکومت کی اور اس کے بعد اس کی خاندان کے سات افراد نے حکومت کی۔

قطب شاہی بادشاہ ایرانی اور شیعہ تھے اور اسی وجہ سے ایران کی صفویہ حکومت سے ان کے اچھے تعلقات تھے یہاں تک کہ سلطان قلی خطبوں میں اپنے نام سے پہلے شاہ اسماعیل صفوی کے نام کا ذکر کرتا تھا اور بعد کے زمانے میں شاہ عباس کا نام بھی گلکندہ کے خطبوں میں ملتا ہے۔ اس دور میں بہت سے ایرانی دانشور اور عالم وشاعر نے دکن کا رخ کیا اور اعلی حکومتی مناصب پر فائز ہوئے۔

شاہ طہماسب صفوی نے اپنے بیٹے حیدر میرزا کی تعلیم کے لئے میر محمد مؤمن کا انتخاب کیا لیکن شاہ اسماعیل ثانی کے دور میں حیدر مرزا کے قتل کے بعد میر محمد درباری زندگی سے مایوس ہوگئے اور ان کی جان

۱۔ بسطامی، علی بن طیفور، حدائق السلاطین فی کلام الخواقین، ص ۱۹۲

۲۔ نوابی عبدالحسین، اسناد ومکاتبات سیاسی ایران، ص ۱۹۰

۳۔ ہندوشاہ استرآبادی، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، تصحیح محمد رضا نصیری (جلد ۳)، ص ۵۵۱

۴۔ تشیع در ہند، ص ۱۳۶

۵۔ اسناد ومکاتبات سیاسی ایران، ص ۱۹

کو بھی خطرہ تھا لہٰذا انہوں نے سنہ ۹۸۶ ہجری میں حج بیت اللہ کی غرض سے قزوین سے روانہ ہوئے اور کچھ عرصہ مکہ ومدینہ میں اقامت کے بعد دکن کے لئے روانہ ہوگئے اور محرم ۹۸۹ میں گلکندہ پہنچے۔ سلطان ابراہیم قطب شاہ کا اس سے قبل ربیع الثانی ۹۸۸ میں انتقال ہوچکا تھا اور محمد قلی قطب شاہ کسی جنگ کے لئے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اگرچہ برہان مآثر کے مؤلف سید علی بن عزیز اللہ طباطبائی جو کہ میر مؤمن کی طرح ایک نووارد مہاجر تھے میدان جنگ کی طرف جانے کو بہتر سمجھا لیکن میر مؤمن نے گلکندہ میں رہ کر تحقیقی اور علمی زندگی گزارنے کو مناسب سمجھا۔ بہت جلد آپ کا علمی تبحر اور تقوا و صداقت زبانزد عام وخاص ہوگیا۔ حکومت نے آپ کا استقبال کیا اور سلطان محمد قلی نے ۹۹۳ ہجری میں آپ کو اپنا مشاور منتخب کیا اور منصب پیشوائی کو آپ کے حوالہ کیا جو اس زمانہ میں سلطان کے بعد سب سے بڑا منصب تھا اور تمام عدالتی، مذہبی اور سیاسی امور انہیں کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ پیشوائی کا منصب وزیر اعظم کے منصب کے برابر تھا۔ اس منصب کے لئے اسی شخص کا انتخاب ہوتا تھا جس میں علمی ومذہبی صلاحیت کے ساتھ ساتھ سیاسی سوجھ بوجھ بھی ہوتی تھی۔ پیشوا کے پاس بارہ لوگوں کا ایک گروہ ہوتا تھا جو مختلف کاموں میں اس کی مدد کرتے تھے۔

میر محمد مؤمن قطب شاہی سلسلہ کے سب سے مشہور پیشوا ہیں۔ اس سے پہلے میر طباطبائی اس منصب پر فائز تھے جنہیں محمد قطب شاہ نے دربار سے نکال دیا۔ میر محمد مؤمن کی سیاسی سوجھ بوجھ اور تقوا و پرہیزگاری سے بادشاہ اس قدر متاثر تھا کہ ۴۰ سال سے زائد عرصہ تک آپ اس منصب پر رہے جس سے ایک طرف تو آپ کی ذاتی صلاحیت و سیاسی سوجھ بوجھ اور دوسری طرف اس دور کے سیاسی ثبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ میر مؤمن اس منصب پر رہتے ہوئے سلطان کی توجہ کو جنگ وخونریزی سے ہٹا کر ملک کے دفتری نظام اور اندرونی امور کی تقویت اور تہذیبی و علمی موضوعات کی طرف مرکوز کرائی۔ آپ مغلوں کے حملوں کی طرف سے فکرمند تھے اور آپ کا ماننا تھا کہ ایرانی حکومت کے دباؤ سے ہی یہ مسئلہ ٹل سکتا ہے۔[۱]

اپنی کوششوں کی بدولت آپ شمالی ہندوستان میں مغلوں پر صفوی حکومت کا مسلسل دباؤ بنائے رکھا اور اسی وجہ سے میر محمد مؤمن کے دور میں مغلوں نے دکن کی شیعی حکومتوں پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کی۔ آپ نے اپنے منصبی اختیارات اور سیاسی ودینی نفوذ کو بروئے کار لاتے ہوئے دکن کی شیعہ حکومتوں

۱۔ شیعہ در ہند (ج ۱)، ص ۴۸۱

میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ شاہ عباس صفوی آپ کا بہت احترام کرتا تھا اور دکن میں تشیع کے فروغ میں آپ کی خدمات کو سراہتا تھا۔[1]

دکنی شیعہ حکومتوں خاص کر قطب شاہیوں کے دور میں فوجی اور دفتری امور میں ایرانیوں کی کثیر تعداد میں موجودگی اور خاص کر پیشوا اور وزیر جیسے اعلی مناصب پر ان کے فائز ہونے کی وجہ سے سماجی اور اقتصادی اعتبار سے ایرانی شیعہ دکنی معاشرہ میں اہم مقام پر فائز تھے۔ ان ایرانیوں نے دوسرے ایرانیوں کو بھی دکن بلایا اور فوجی و دفتری امور میں ان کو منصوب کیا۔

میر مؤمن کی پیشوائی کے دور میں دو اہم واقعہ رونما ہوا۔ ایک شہر حیدرآباد کا آباد ہونا اور دوسرا مذہب جعفری کی ترویج اور شہدائے کربلا کے نام سے علمہائے مبارک کا نصب ہونا۔ میر مؤمن نے ان دونوں واقعات میں اہم کردار ادا کیا۔ انہیں کی کوششوں سے محمد قلی قطب شاہ کی عقیدہ میں پختگی آئی اور انہیں خادم اہلبیت رسول کا لقب ملا۔ سلطان قلی قطب شاہ کے دور میں میر مؤمن کی کوششوں سے ایرانی ۔ شیعی تہذیب اور قطب شاہی تہذیب کے امتزاج سے نئے معاشرہ کی داغ بیل پڑی۔ سلطان محمد قلی شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ ان کی نظم دکنی میں اس دور کے ایرانی شیعی معاشرہ کی عکاسی ملتی ہے۔[2] ان کے دیوان میں ایسے بہت سے شواہد ملتے ہیں جن سے ائمہ اطہار سے ان کے دلی لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر محمد مؤمن کا بادشاہ کے مزاج پر کافی غلبہ تھا۔

سلطان قلی قطب شاہ اپنے دوسرے بھائیوں کی بنسبت کم تعلیم یافتہ تھے اور اپنے دیوان میں انہوں نے خود اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی زندگی کے کئی سال عشق و عاشقی میں گزارے اور بھاگ متی سے ان کا معاشقہ تاریخ دکن میں مشہور ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فاضل و عالم فرد نہیں تھے اور دینی بصیرت کا بھی کافی حد تک فقدان تھا۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ، سلطان قلی قطب شاہ کا مذہب و علم اور تہذیب سے اتنا لگاؤ، ایک معجزہ سے کم نہیں ہے اور یہ سب میر محمد مؤمن کی کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے۔ مذہب جعفری کی ترویج، عاشور خانہ کی بنیاد، علم کا نصب کرنا اور دوسرے دینی مراسم جیسے عید مبعث، عید ولادت حضرت علی، عید غدیر، وغیرہ محمد قلی کے ذریعہ سنہ ۱۰۰۰

۱۔ ادیان و مکاتب : تشیع در شبہ قارہ ہند، ۱۵۴

۲۔ شیعہ در ہند (ج۱)، ص۴۸۱

قمری کے آس پاس انجام پائے جو کہ میر مؤمن کی پیشوائی کے سب سے پہلے آثار ہیں۔

قطب شاہی دور کا پہلا علم محمد قلی کے ذریعہ ۱۰۰۱ قمری میں قلعہ گلکنڈہ کے شاہی عاشور خانہ میں نصب ہوا اور آج تک علم حسین گلکنڈہ کے نام سے مشہور ہے اور ہر سال محرم الحرام میں اسی قلعہ میں اٹھتا ہے۔اس پر یہ عبارت تحریر ہے: نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المؤمنین، غلام علی، محمد قلی قطب شاہ، سنہ احدی والف۔ اس کے ارد گرد اسم جلالہ اللہ کے علاوہ چودہ معصومین کے نام بھی تحریر ہیں۔

اگرچہ محمد قلی قطب شاہ کے مذہبی جذبات سنہ ۱۰۰۰ قمری کے بعد سے متعلق ہیں لیکن یہ واضح ہے کہ میر مؤمن نے مدتوں پہلے سے اس کے مقدمات فراہم کئے ہونگے۔ محمد قلی جیسے آزاد خیال اور مطلق العنان بادشاہ کو عین جوانی کے ایام میں مذہبی رجحانات کی سمت واپس لانا میر محمد مؤمن کا ہی کام ہے۔حیات محمد قلی قطب شاہ میں ان تمام مخالفتوں اور بغاوتوں کا ذکر ملتا ہے جن کا سامنا محمد قلی قطب شاہ کو ان کی مذہبی سرگرمیوں کی وجہ سے کرنا پڑا۔ان بغاوتوں کی ناکامی نیز محمد قلی قطب شاہ کی مختلف محاذوں پر کامیابی میں میر مؤمن کی کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے۔

ماہ محرم کی عزاداری نیز ربیع الاول کا جشن بڑے دھوم دھام سے محمد قلی قطب شاہ کے دور میں منایا جاتا تھا جس کی وجہ سے دربار کے غیر مسلمان افراد بھی اسلام کی طرف جذب ہوئے۔ غیر مسلم اس طرح کی تقریبات میں خلوص واعتقاد کے ساتھ شریک ہوتے تھے، جس سے طبقہ حاکم اور عوام کے بیچ کا تہذیبی خلیج ختم ہوگیا۔ میر محمد مؤمن کے اشارہ پر بادشاہ بہت سے ایرانی اور اسلامی اعیاد میں شریک ہوتا تھا جس کی وجہ سے عوام کو روزگار بھی فراہم ہوتا تھا۔ محرم کے علاوہ اس عہد میں میلاد النبی، عید بعثت، معراج، میلاد امام علی، عید فطر، عید الضحی اور عید غدیر بھی بڑے جوش وخروش کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ سرکاری سطح پر اس طرح کی تقریبات منعقد ہونے سے عام لوگوں کو اس کے بارے معلومات فراہم ہوئیں۔

میر مؤمن اور ایرانی ـ اسلامی معماری

علامہ استر آبادی اپنے دور کے مشہور معمار تھے اور آپ نے ہی سنہ ۹۹۹ ہجری میں شہر حیدر آباد کو آباد کیا۔آپ نے حیدر آباد کو حضرت علیؑ کے نام سے صفوی دور کے اصفہان کے نقشہ کے مطابق تیار کیا

اور اس دور میں اصفہان نو (نیا اصفہان) کے نام سے مشہور ہوا۔[1] میر مؤمن کو عوام کی فلاح و بہبود اور ایرانی ۔شیعی تہذیب کی ترویج کا شوق تھا۔ انہوں نے حیدر آباد کے نقشہ کو اس طرح سے تیار کیا کہ اس میں دو اصلی راستہ ایک مشرق سے مغرب اور ایک شمال سے جنوب ، چار مینار عمارت کے پاس ایک دوسرے سے ملتے تھے۔[2]

چار مینار شہر حیدر آباد کی سب سے خوبصورت عمارت ہے جس کا نقشہ میر مؤمن نے تیار کیا۔ یہ عمارت امام رضاؑ کے حرم کے چار منار کے نقشہ پر تیار ہوئی ہے۔ میر مؤمن کے ذہن میں مشہد مقدس کا نقشہ تھا اور اسی کی بنیاد پر حیدر آباد کا نقشہ تیار کیا۔ اس چوکور عمارت میں چار مینار ہیں جن کی بلندی ۴۹ میٹر ہے۔ ہر مینار پر چار منزل ہے۔ اس کی پہلی منزل پر حوزہ علمیہ اور دوسری منزل پر ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔ اسی مسجد کی وجہ سے یہ عمارت اورنگزیب کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچ گئی۔

دکن میں شیعہ حکومتوں کی تشکیل کے بعد ، مختلف مذہبی مراکز کی بنیاد پڑی اور عاشور خانہ ان میں سے ایک ہے۔ محرم میں عزاداری اور مجالس عزا کے انعقاد کے لئے ایرانی طرز پر مختلف عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ سلطان قلی قطب شاہ نے گلکندہ کے قلعہ میں ایک عاشور خانہ تعمیر کروایا۔ ابراہیم قلی قطب شاہ نے دوازدہ امامی لنگر کی بنیاد رکھی جہاں پر بارہ اماموں کے نام پر اور شفاعت کے لئے غذا تقسیم ہوتی تھی۔ اس وقت حیدر آباد میں گیارہ ہزار عاشورہ خانے موجود ہیں جن میں سے پانچ ہزار شیعوں اور چھ ہزار اہل سنت کے ہاتھ میں ہے اور آندرپردیش وقف بورڈ کی نگرانی میں ہیں۔ میر مؤمن کا بنا کردہ عاشورخانہ حیدر آباد میں ابھی بھی قائم ہے۔[3]

محمد قلی شاہ کے دور میں میر مؤمن کی دیکھ ریکھ میں ایک اور عمارت تعمیر ہوئی جسے داد محل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس محل میں ولادت و شہادت ائمہ معصومین سے متعلق تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ اس میں سات منزلیں تھیں اور ساتویں منزل کو الٰہی محل کہا جاتا تھا اور باقی پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کے نام

۱۔ ادیان و مکاتب : تشیع در شبہ قارہ ہند، ص ۱۵۴

۲۔ شیعہ در ہند (ج ۱) ، ص ۴۸۲؛ گلی زوار ہم غلام رضا، نفوذ و گسترش اسلام و تشیع در شبہ قارہ ہند، نشریہ درسهایی از مکتب اسلام ، ص ۳۰

۳۔ شیعہ در ہند (ج ۱) ، ص ۴۸۲-۴۸۴

سے منسوب تھیں۔

میر مؤمن وقف کی اہمیت سے واقف تھے اسی لئے آپ نے بہت سی عمارتیں تعمیر کرا کر انہیں وقف کیا۔ آپ کی سب سے اہم وقف ایک مشہور قبرستان ہے۔ میر مؤمن نے کربلا کی مقدس مٹی کو اس قبرستان کی مٹی میں ملادیا جس سے اس کا تقدس بڑھ گیا اور اب جنازوں کو دفن کے لئے کربلا بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔[1]

خان زمان خان تحریر کرتے ہیں:

> "میر مؤمن نے یاقوت پورہ دروازہ کے باہر ایک زمین خریدی اور اسے قبرستان کے لئے وقف کردیا اور اس کی خاک میں خاک کربلا کی آمیزش کی۔ ایک حمام اور ایک گہرا کنواں بھی تعمیر کروایا اور اپنے سو غلاموں کو کفن و دفن سے متعلق فقہی احکام کی امامیہ اور اہل سنت کے طریقہ پر تعلیم دلوائی تاکہ وہ لوگ مسلمانوں کی تدفین سے متعلق تمام امور کو بنا کسی اجرت کے انجام دیں اور ان کے لئے زمینیں اور باغات اور دکانیں خریدیں تا کہ ان کے اخراجات میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔"[2]

اس قبرستان میں صرف ایرانی شخصیات دفن ہوتے تھے اور ۱۱۶۰ ہجری تک چھ سے سات لاکھ سادات و عرفا وہاں دفن ہو چکے تھے۔ یہ قبرستان آج بھی شیعوں کی قبرستان کے عنوان سے حیدرآباد میں موجود ہے۔ اس قبرستان میں سیکڑوں ایرانی عالم و شاعر مدفون ہیں جن کا تعلق قطب شاہی دربار سے تھا اور جن کی قبروں پر بہت خوبصورت انداز میں فارسی اور عربی کے اشعار بھی تحریر ہیں۔ جان نورمن ہالیستر نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

> "میر مؤمن نامی ایک شخص جو کہ عبداللہ کی حکومت کے زمانہ میں کربلا سے حیدرآباد آیا تھا، اس نے ایک بہت بڑی زمین قبرستان کے لئے وقف کی جس میں شیعوں کے جنازہ دفن ہوتے ہیں اور وہ خود بھی وہیں پر دفن ہے۔ آج شیعہ اور سنی دونوں اپنے

۱۔ شیعہ در ہند (ج ۱)، ص ۴۸۷

۲۔ خانزمان خان، غلام حسین خان، تاریخ آصف جاہیان / گلزار آصفیہ، ص ۶۱۱

مردوں کو وہیں دفن کرتے ہیں۔"[۱]

اس دور میں وقف ناموں کا بھی رواج تھا یعنی وقف کی گئی جائیداد کی آمدنی کس طرح خرج کی جائے گی، یہ سب وقف نامہ میں درج ہوتا تھا اور وقف نامہ کو مسجد، امامباڑہ یا عاشور خانہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح کے اوقاف سے شیعوں کو فائدہ پہنچتا تھا نیز وہاں کے اصلی باشندے شیعی۔ ایرانی تہذیب سے روشناس ہوتے تھے۔ میر مؤمن نے حیدرآباد کی تعمیر کے وقت، بازار، محل، مسجد، عاشور خانہ، حمام وغیرہ جیسی عمارتوں کی جگہ مشخص کرنے کے ساتھ ساتھ، ایک صاف ستھری جگہ کو قبرستان کے لئے منتخب کیا۔ انہوں نے اس زمین کو اپنی ذاتی رقم سے خریدا اور اسے ایک خوبصورت باغ کی شکل دی۔

میر مؤمن نے حیدرآباد کو آباد کرنے کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی تہذیبی اور دینی فروغ کی کوشش کی تاکہ گاؤں میں بسنے والے بھی ایرانی ۔ شیعی تہذیب سے آشنا ہو سکیں۔ آپ نے اسی مقصد کے تحت شہر کے باہر کئی زمینیں خریدیں اور مسجد، عاشور خانہ، کاروان سرا اور دوسری عمارتیں تعمیر کروائیں اور ان کے آس پاس ایرنی طرز پر باغ لگوائی۔ اس طرح اسلام کا نور دکن کے دور دراز علاقوں تک پھیل گیا۔

میر مؤمن نے حضرت عباس کے علم اور واقعہ کربلا سے متعلق دوسری نشانیوں کو اپنی حکومت کے مختلف علاقوں میں نصب کروائے اور ہندوؤں کو ان تقریبات میں شریک ہونے کی ترغیب دلائی، اس سے ہندوؤں کو شیعوں سے متعلق معلومات فراہم ہونے کا موقع ملا۔ چار صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی اہل ہنود محرم کے مہینہ میں عزائے سید شہدا کا بہت احترام کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں۔

میر مؤمن سے پہلے بھی بہت سی ایرانی شخصیات قطب شاہی دربار میں موجود تھیں جنہوں نے مختلف دفتری، فوجی اور اقتصادی مناصب پر خدمات انجام دیں جس کی وجہ سے میر مؤمن کا بھی اس دربار میں استقبال کیا گیا۔ میرزا حمزہ اصفہانی، خواجہ افضل ترکہ، میرزا روزبہان اصفہانی اور سید مظفر ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں قطب شاہی دور میں مختلف مناصب پر خدمات انجام دیں۔

محمد تقی تفرشی، عبداللہ قطب شاہ کے زمانے کا سب سے بڑا کمانڈر تھا۔ فوجی کمانڈروں کی تنخواہ

۱۔ تشیع در ہند، ص ۱۳۹

زیادہ تر جاگیر کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ اس جاگیر کی آمدنی سے وہ ایک شاہانہ زندگی گزارتے تھے۔ میر مؤمن نے باصلاحیت ایرانیوں کو دربار کے اعلی مناصب کے لئے انتخاب کیا۔ میرزا محمد امین شہرستانی اصفہانی بھی انہیں لوگوں میں شامل ہیں جنہیں میر مؤمن نے دربار میں پہنچایا۔ اسی زمانہ میں میر جملہ سلطان مالک امین کی وفات ہو گئی اور ان کا منصب خالی تھا۔ سلطان نے میر مؤمن کی حمایت کی وجہ سے سنہ ۱۰۱۱ ہجری میں میرزا محمد امین کو میر جملہ کے منصب سے نوازا۔ انہوں نے سنہ ۱۰۱۹ ہجری تک سلطان محمد قلی خان کے دفتری امور کو انجام دیا اور یہ ترقی شاہجاں کی حکومت تک جاری تھی۔ وہ شاہجہان کے سامنے اپنے مذہب کے بارے میں بات کرتے تھے۔ وہ اچھے شاعر بھی تھے اور روح الامین تخلص کرتے تھے۔ ان کے آثار میں خسرو و شیرین، مطلع الانوار، لیلیٰ و مجنون، آسمان ہشتم یا فلک البروج آج بھی موجود ہیں۔

میر محمد سعید اردستانی، میر ابوطالب، میر قاسم اردستانی اور میر یزدی بھی ان شیعہ ایرانیوں میں شامل ہیں جنہوں نے قطب شاہیوں کے دور میں اہم مناصب پر فائز تھے اور ایرانی شیعی تہذیب و ثقافت کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

میر مؤمن کی حمایت میں حکومتی مدارج طے کرنے والی دوسری شخصیت کا نام شیخ محمد بن علی بن خاتون ہے جو طوس کے رہنے والے تھے اور ابن خاتون عاملی کے نام سے مشہور تھے۔ میر مؤمن کی سفارش پر ان کو سنہ ۱۰۲۵ ہجری میں شاہ عباس کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا گیا اور میر مؤمن کی وفات کے بعد عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں واپس آئے۔ آپ کو پیشوا کا قائم مقام بنایا گیا۔ اس کے علاوہ آپ دبیر بھی تھے اور سنہ ۱۰۳۸ میں پیشوا کے منصب پر فائز ہوئے۔ اس انتصاب کی وجہ سے میر مؤمن کے شاگردان کی وفات کے بعد قطب شاہی دربار میں داخل ہوئے۔ ابن خاتون ایک تجربہ کار سیاستداں اور قلمکار تھے۔ انہوں تشیع کو اس دور کے حالات سے سازگار کیا۔

محمد سعید اردستانی معروف بہ میر جملہ قطب شاہی دربار کے ایک اور کامیاب ایرانی تھے جو میر مؤمن کے بعد اعلی منصب پر فائز ہوئے۔ آپ الماس جیسے قیمتی نگینوں کی تجارت کے لئے بھی مشہور تھے۔ آپ اصفہان سے دکن کے لئے روانہ ہوئے تھے اور قطب شاہی دربار میں میر جملہ کے منصب پر فائز ہوئے جو ایک اعلی منصب تھا۔ عبداللہ قطب شاہ کے دور میں کرناٹک کی حکومت آپ کو سونپی گئی جہاں پر الماس کے کان موجود تھے اور الماس کی تجارت سے آپ نے بہت دولت کمائی۔

میر مؤمن نے نظم و نثر میں کچھ کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ فارسی نظم میں آپ کا ایک دیوان موجود ہے اور نثر میں شاہ عباس صفوی کے نام آپ کا خط اور کتاب کثیر المیامین پر آپ کا دیباچہ موجود ہے۔ کتاب رسالہ مقداریہ اور کتاب الرجعہ بھی آپ سے منسوب ہے۔ رسالہ مقداریہ سلطان محمد قطب شاہ کی درخواست پر تحریر کی گئی ہے اور شرعی وطبّی صاحب نظر افراد کے لئے فصل الخطاب ہے۔ کتاب رجعت بھی حدیث کے موضوع پر عربی زبان میں ہے۔ اس میں ائمہ اطہار سے منقول بعض روایتیں تحریر ہیں اور حدیثوں کو جانچنے کے نئے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اختیارات قطب شاہی طب کے موضوع پر ہے۔ رسالہ مغربیہ اور عروض پر ایک رسالہ (عیون الشرف) بھی ہے جس پر نصیرای ہمدانی نے تعلیقہ تحریر کیا ہے اور اس کا نام لعل قطبی رکھا ہے۔

میر مؤمن کی زندگی کے آخری ایام ان کے بیٹے میر مجد الدین محمد کی موت کی وجہ سے بہت ہی غم و اندوہ میں گزرے۔ میر مجد الدین ایک ماہر عالم اور ریاضت پیشہ شخص تھے جو زیادہ تر درویشوں کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ قطب شاہی دور کے لوگ ان کی سخاوت کی وجہ سے آپ کو بہت چاہتے تھے۔ میر مؤمن ربیع الاول ۱۰۳۴ ہجری میں اپنے بیٹے کی موت سے اس قدر دلبرداشتہ ہوئے کہ دوسری جمادی الاولی ۱۰۳۴ میں آپ کی وفات ہو گئی۔[1]

میر مؤمن نے اپنے بیٹے کو اسی گنبد کے نیچے دفن کیا جو خود اپنے لئے تیار کیا تھا اور خود ان کو دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ میر مؤمن کی موت دکن میں تشیع کے لئے بہت بڑا نقصان تھا اور سلطان محمد قطب شاہ آپ کی موت سے اس قدر افسردہ ہوا کہ ایک سال بعد تیرہ جمادی الاولی ۱۰۳۵ میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔

منابع و مآخذ

- ارشاد، فرہنگ، مہاجرت تاریخی ایرانیان بہ ہند، مؤسسہ مطالعات و تحقیقات فرہنگی، تہران، ۱۳۶۵
- اطہر رضوی، عباس، شیعہ در ہند (ج ۱)، ترجمہ مرکز مطالعات و تحقیقات اسلامی، مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ، قم، ۱۳۷۶

۱۔ شیعہ در ہند (ج ۱)، ص ۵۰۰

❖ باسورث، کلیفورد ادموند، سلسله ہای اسلامی جدید راہنمای گاہشماری وتبار شناسی، ترجمہ فریدون بدره ای، ، مرکز بازشناسی اسلام وایران، تہران، ۱۳۸۱
❖ بسطامی، علی بن طیفور، حدائق السلاطین فی کلام الخواقین، تصحیح وتحشہ سید علی اصغر بلگرامی، حیدرآباد دکن
❖ بہبہانی، احمد، مرات الاحوال جہان نما، مرکز فرہنگی قبلہ، ۱۳۷۲
❖ پیرماردیان، فرحناز، میر محمد مؤمن استرآبادی در دربار قطب شاہیان، فصل نامہ اختصادی مطالعات فرہنگی، ش۱، سال ۱۳۹۴
❖ خانزمان خان، غلام حسین خان، تاریخ آصف جاہیان / گلزار آصفیہ، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۳۷۷
❖ ساعدی شیرازی، میرزا نظام الدین احمد بن عبد اللہ، حدیقہ السلاطین، تصحیح وتحشیہ سید علی اصغر بلگرامی، حیدرآباد دکن، ۱۹۶۱
❖ ریاض الاسلام، تاریخ روابط ایران ہند در دورہ صفویہ وافشاریہ، ترجمہ محمد باقر آرام، عباسقلی غفاری فرد، نشرامیر کبیر، تہران، ۱۳۹۱
❖ صادقی علوی، محمود، قطب شاہیان؛احیاگران تشیع دکن، مجلّہ شیعہ شناسی، ش ۱۵، سال ۱۳۸۵
❖ صدیقی، بیروتی، آن دیوارہ تأثیر زبان ھای ایرانی بر زبان ھای ہندی، مجموعہ مقالات روابط فرہنگی ایران وہند، معاونت بین المللی سازمان فرہنگ وتبلیغات اسلامی، تہران، ۱۳۸۵
❖ ضابط، حیدر رضا، ادیان ومکاتب: تشیع در شبہ قارہ ہند، مجلّہ پژوہش ہای اسلامی، ش ۱۳، سال ۱۳۷۷
❖ فدائی اسپھانی، نواب میرزا نصر اللہ خان، داستان ترک تازاں ہند، چاپخانہ محمد علی فردین، تہران، ۱۳۴۱
❖ جاروی، عون علی وعلیقی قرائی، قادری محدی الدین، میر محمد مؤمن استرآبادی مروج تشیع در جنوب ہند، نشر مورخ، ۱۳۸۶
❖ گلی زوارہم غلامرضا، نفوذ وگسترش اسلام وتشیع در شبہ قارہ ہند، نشریہ درس ھای از مکتب اسلام، ش ۶۷۶، سال ۱۳۹۶
❖ مقدم، محمد باقر، اثر آفرینان استرآباد وجرجان استان گلستان، موسسہ فرہنگی میر داماد، گرگان، ۱۳۹۲
❖ میرزاابوالقاسم رضی الدین نور الدین، مخاطب بہ میر عالم، حدیقۃ العالم، بہ اہتمام سید عبد اللطیف شیرازی، حیدرآبادی دکن
❖ نقوی، صادق، مؤسسات دینی مسلمانان ونقش آن ھادر دوران قطب شاہیان، حیدرآباد دکن، ۱۹۹۳

- ❖ تاریخ سلطان محمد قطب شاه، به خط نظام بن عبدالله شیرازی، نسخه خطی شماره ۳۸۸۵،کتابخانه ملی ملک
- ❖ نوایی عبدالحسین، اسناد و مکاتبات سیاسی ایران، بنیاد فرهنگ ایران، تهران، ۱۳۶۰
- ❖ هالیستر، جان نورمن، تشیع در هند، ترجمه آذرمی دخت مشایخ فریدنی، مرکز نشر دانشگاهی تهران، ۱۳۷۳
- ❖ هندوشاه استرآبادی، محمد قاسم، تاریخ فرشته، تصحیح محمد رضا نصیری، انجمن آثار و مفاخر فرهنگی، تهران، ۱۳۸۸
- ❖ تاریخ فرشته، تصحیح محمد رضا نصیری، انجمن آثار و مفاخر فرهنگی، تهران، ۱۳۹۳
- ❖ Majimadar R.C Gen.ed The History Culture of the Indian People, vol.6-7. Sevntth ed. Bharatiya Vidya Bhavan , Mumbai, 2001
- ❖ Tavernir, Jean batise, Travels in India, translated by V. ball, II. D.f.r.s.f.g.s,vol2,New York, 1889.